© rasailojaraid.com

مولانا محمد جعفر پھلواروی

مطالبۂ پاکستان کا پس منظر

ہندوؤں کی بھاری اکثریت ہوتے ہوئے بھی مسلمانوں نے ہندوستان پر آٹھ سو سال حکومت کی۔ اس کے بعد انگریز کوئی دو ڈھائی صدی فرماں روائی کرتے رہے۔ ہندو قوم مسلمانوں کو اپنے لیے رحمت سمجھتی تھی اس لیے اس نے ان کی ماتحتی کو صدیوں قبول کیے رکھا اور جب انگریز مسلمانوں سے حکومت چھیننے پر آمادہ ہوئے تو ان کے خلاف ہندوؤں نے مسلمانوں کا ساتھ دیا۔ ہندوستان پر انگریز جب پوری طرح قابض ہو گئے تو انھیں ایک خوف ہمیشہ دامن گیر رہا، اور ساتھ ہی امید کی ایک کرن بھی دکھائی دی۔ خوف یہ تھا کہ حکومت مسلمانوں سے لی گئی ہے اس لیے کسی وقت بھی یہ اپنی چھنی ہوئی حکومت واپس لینے کے لیے کوئی اقدام کر سکتے ہیں۔ اور یہ وہ سودا ہے جس سے کوئی مسلمان دماغ خالی نہیں رہ سکتا۔ یہ فکر ہر وقت چٹکیاں لیتی رہے گی۔

اس خطرے کے ساتھ انھیں ایک امید کی کرن بھی نظر آئی جس سے انھوں نے کام بھی لیا۔ انھوں نے اپنی طرف سے مسلمانوں کی توجہ ہٹانے کے لیے خود مسلمانوں کے خلاف ایک مہم شروع کر دی یعنی انھوں نے ہندوؤں کے دماغ میں یہ بات ڈالنی شروع کر دی کہ ہم تو تم لوگوں کو مسلمانوں کی محکومی سے نجات دلانے کے لیے آئے ہیں۔ یہ مسلمان تمھاری واضح اکثریت کے باوجود تم پر صدیوں حکومت کرتے رہے اور تمھیں ابھرنے نہ دیا لیکن اب یہ تمھارا حق ہے کہ اپنی اکثریت کے بل بوتے پر تم مسلمانوں پر حکومت کرو۔ تم ہمارا ساتھ دو، ہم تمھارا ساتھ دیں گے۔ اگر ہم انگریز یہاں سے چلے گئے تو مسلمان پھر تم پر مسلط ہو جائیں گے اور پڑوسی ملک افغانستان سے بھی مدد لے کر تمھیں محکوم بنا لیں گے۔ لہٰذا تمھارا بھلا اسی میں ہے کہ ہماری سرپرستی قبول کیے رہو اور ہماری مدد سے ہر محکمے میں تم مسلمانوں پر چھا جاؤ۔

حصولِ حکومت اور ہر قسم کی ملازمت کا دانہ ڈال کر انگریزوں نے ہندوؤں کے دل میں مسلمانوں کے خلاف ایک جذبۂ انتقام پیدا کر دیا، اور وہ جو مشہور ہے کہ ادھر چور سے کہا کہ چپکے سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اندر گھس کر مال سمیٹ لو اور اِدھر صاحبِ مکان سے کہا کہ: چور گھس رہا ہے ہوشیار ہو جاؤ۔ عین اسی کے مطابق انھوں نے ہندوؤں کو ابھارا کہ اپنی محکومی کا بدلہ مسلمانوں سے لو اور اُدھر مسلمانوں کے کان میں پھونکا کہ دیکھو اب ہندو تم پہ انتقامی حکومت کرنے کے خواب دیکھ رہے ہیں۔ لہٰذا تم مسلمانوں کا بچاؤ اسی میں ہے کہ ہم انگریزوں کے ظلِّ عاطفت میں ہی رہو۔

نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوؤں کے دلوں میں مسلمانوں سے دہشت و نفرت پیدا ہونے لگی، اور مسلمانوں کے دل ہندوؤں کی طرف سے بدگمان ہونے لگے۔ دوسرے لفظوں میں دونوں کی توجہ انگریزوں سے ہٹ کر ایک دوسرے کی طرف مڑ گئی۔ شاہ آباد (آرہ) کے بلوے نے اور پھر سوامی شردھانند کی تحریک شدھی نے منافرت کو اور بھی ہوا دی۔ انگریز کا مقصد پورا ہوا اور اس مقصد کو مزید تقویت پہنچانے والے واقعات نے اور بھی آگ پر تیل کا کام کیا۔ کہیں مسجد و مندر کی نزاع، کہیں باجے اور جلوس کے قصے اور کہیں قربانیِ گاؤ کا مسئلہ۔ تفریق کی خلیج پوری طرح وسعت پکڑ گئی اور سچ پوچھیے تو دو قومی نظریے کی بنیاد اسی وقت پڑ چکی تھی بلکہ دلوں میں گھر کر چکی تھی، لیکن ایک نظریہ کی حیثیت سے عام نہیں ہوئی تھی۔

یہ حالات تھے کہ پہلی عالمی جنگ چھڑ گئی اور اتفاق یہ ہوا کہ خلافتِ عثمانیہ کی وسیع مملکت کو عالمی سطح پر تباہ کرنے سے اُدھر مسلمانوں کو انگریزی حکومت سے شدید نفرت پیدا ہو گئی، اور ادھر جلیانوالہ باغ میں گولی چلنے سے ہندوؤں میں انگریزوں سے عام بیزاری پیدا ہوئی۔ اب دونوں میں انگریز دشمنی نے اتحاد پیدا کر دیا۔ کانگریس اور خلافت کے جلسے ایک ہی اسٹیج پر ہونے لگے۔ ہر جلسے میں ہندو و مسلم دونوں لیڈر ٹیک جا ہوتے اور زوردار تقریریں کرتے۔ مسلمان اپنی سادہ لوحی کی وجہ سے اپنی فراخ دلی میں کچھ حد سے گزر گئے۔ گاؤکشی ترک ہونے لگی۔ شردھانند کو جامع مسجد دہلی کے منبر پر چڑھا دیا۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کو اپنے ہاتھوں سے تباہ کیا۔ مالی قربانی کے علاوہ جانی قربانیاں بھی دیں اور جیلوں میں اکثر و بیشتر مسلمان ہی گئے۔ ہجرت کی تحریک شروع کی اور تعلیمی بائیکاٹ کر کے اپنی تعلیم برباد کر لی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

غرض مسلمانوں نے ہر طرح کا ایثار کیا لیکن جتنا نقصان اٹھایا اس کا دسواں حصہ بھی فائدہ نہ اٹھا سکے، بلکہ بڑا المیہ یہ پیش آیا کہ جس خلافت کے نام پر یہ ساری قربانیاں دی جارہی تھیں اسی کو حاملانِ خلافت نے ختم کر دیا اور وہ روحانی و سیاسی مرکزیت ختم ہوگئی جس سے (برائے نام سہی) ساری دنیا کے مسلمان روحانی و سیاسی طور پر وابستہ تھے۔ اور سارے عالم میں جہاں بھی جمعہ ہوتا تھا وہاں خلیفۃ المسلمین کا خطبے میں نام لیا جاتا تھا۔

اس پوری مدت میں ہندوؤں نے بڑی دوراندیشی سے کام لیا، جتنا ایثار کیا اس سے کہیں زیادہ فائدہ اٹھالیا۔ مسلمانوں کے سامنے ان کا نصب العین خلافت ختم ہوچکا تھا مگر جوش و خروش موجود تھا، اسے ہندوؤں نے اپنے مقصد (آزادئ ہند) کی طرف لگا لیا۔ اس وقت آزادئ ہند سے ہندوؤں کا مقصد مکمل آزادی نہیں تھا بلکہ ایسی آزادی مقصود تھی جو انگریزوں کے سایۂ عاطفت میں ہو اور مسلمان بہر نوع اکثریت کے رحم وکرم پر اور ان کے ماتحت رہیں۔ وہ زمانہ تھا جوش و خروش کا، اور مسلمان جوش میں آکر ہوش کی باتوں کو کم سوچتے ہیں۔ ہندوؤں کی اصل نیت کو بھانپنے والے دماغ خال خال تھے لیکن ان کی آواز پر کان دھرنے والے بھی آٹے میں نمک کے برابر تھے۔ شدھی کی تحریک نے جب زور پکڑا تو مسلمانوں کو کچھ ہوش آیا اور یہ اندیشہ پیدا ہونے لگا کہ کہیں مسلمان اقلیت غیر مسلم اکثریت میں ضم ہوکر بے اثر ٹولہ بن کر نہ رہ جائیں۔ یہ اندیشہ رفتہ رفتہ قوت پکڑنے لگا۔ تاآنکہ لکھنؤ کے اجلاسِ کانگرس میں مسلمان قوم کے تحفظ کی ضمانت حاصل کرنے کے لیے قائداعظم محمد علی جناح کے مشہور چودہ نکات پیش کیے گئے۔

آگے چلنے سے پہلے یہاں ایک دو ضروری باتیں سنتے چلیے۔ مسلمان قوم ہمیشہ سے بہادر، جنگ آزما اور مارشل اسپرٹ رکھنے والی قوم رہی ہے۔ مالی و جانی قربانی (جہاد) اس قوم کی گھٹی میں پڑی ہے۔ گئی گزری حالت میں بھی اس کا یہ ایمان ہے کہ فی سبیل اللہ لڑتے ہوئے اگر بچ گئے تو غازی اور مر گئے تو شہید۔ اس جذبۂ نبرد آزمائی کے ساتھ بہادروں کی اعلیٰ صفات اور مذہب کی روحانی قدریں بھی موجود رہی ہیں۔ اسی سبب سے وہ جہاں گئے غالب بن کر رہے اور اقلیت میں ہونے کے باوجود وہ فاتح و حاکم ہی رہے۔ فاتح اس لیے کہ بہادر تھے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نبرد آزما تھے اور حاکم اس لیے کہ عادل، رعایا پرور، بے لوث خدمت گزار، امن پسند، فراخ دل، استحصال دشمن اور مذہبی تعصب سے کوسوں دُور تھے۔ اقلیت میں رہ کر بھی ہندوستان پر صدیوں حکومت کرتے رہے۔

ہندوؤں کے دلوں میں یہ خطرہ پیدا کیا گیا کہ اگر انگریز یہاں سے چلے گئے تو مسلمان جنگ آزما قوم ہونے کی وجہ سے پھر یہاں اپنی حکومت قائم کر لیں گے اور اکثریت کی حکومت کا خواب پورا نہ ہو سکے گا۔ انگریزوں نے تو مسلمانوں کے مقابلے کے لیے ایک لڑنے والی قوم یعنی سکھوں کو پال رکھا تھا اور ہندو قوم میں سے گورکھوں کو۔ لیکن گاندھی نے مسلمانوں کے مقابلے کے لیے جو حربہ ایجاد کیا وہ ایک دو دھاری حربہ تھا۔ یعنی عدم تشدد یا ستیہ گرہ۔ اس نے ایک طرف تو ہندوؤں کے دل سے مار کھانے کا خوف نکال دیا اور دوسری جانب مسلمانوں کو مار کھا کر خاموش رہنے کا عادی بنا دیا۔ اس طرح دونوں قومیں گویا ایک ہی سطح پر آگئیں۔ مسلمان مارنا بھلا بیٹھے اور ہندو مار کھانے سے بے خوف ہو گئے۔

اس وقت سارے مسلمان لیڈر، علما، مشائخ، عوام، خواص، سبھی اس سحر سامری کے شکار ہو رہے تھے اور بہت کم افراد تھے جو مسلمان قوم کی انفرادی حیثیت کے اکثریت میں فنا ہونے کا خطرہ محسوس کرتے ہوں۔ آخر کار یہ خطرہ محسوس کیا گیا اور اسی نے محمد علی جناح کے چودہ نکات کی شکل اختیار کی۔ ہندوؤں نے اسے ماننے سے انکار کر دیا۔ بلکہ ایک بڑے "فراخ دل" ہندو لیڈر — موتی لال نہرو — نے یہاں تک کہہ دیا کہ مسلمان ہمارے دشمن ہیں اور ہم ان کے دشمن۔

مسلمان اپنی آبادی کے تناسب سے اپنے حقوق کی ضمانت چاہتے تھے۔ صرف ایک تہائی۔ یہ عدل و انصاف کے عین مطابق تھا۔ لیکن اس موقع پر سب سے زیادہ دلچسپ روش مسٹر گاندھی کی تھی۔ ان کا ارشاد تھا کہ: ایک تہائی کیا چیز ہے، تم جتنے فی صد چاہتے ہو، لے لو۔ ہم تمھیں بلینک چیک دیے دیتے ہیں۔ اس پر تہائی دو تہائی جو چاہو لکھ لو، مگر ابھی نہیں۔ آزادی اور اقتدار مل چکنے کے بعد۔ مسلمانوں کا ماتھا ٹھنک گیا اور وہ سمجھ گئے کہ جو کام آج بڑی آسانی سے ہو سکتا ہے اسے وعدۂ فردا پر ٹالنا خالی از علّت نہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مسلمان بھانپ گئے کہ ایک تہائی تو کیا دسواں حصہ بھی دینے کا ارادہ نہیں رکھتے۔ اقتدار بہرحال اکثریت کے ہاتھ آئے گا اور اس وقت طاقت کے نشے میں یہ بات کرنا بھی پسند نہ کریں گے اور بلینک چیک کی حیثیت بلیک چیک سے زیادہ نہ ہوگی۔

مسلمان یہ بھی دیکھ رہے تھے کہ ان ہندوؤں نے آج تک اچھوتوں کے ساتھ انصاف نہیں کیا، حالانکہ یہ اچھوتوں کو اپنا جزو بتاتے ہیں۔ ان کو قرطاس ابیض میں علیحدہ نمائندگی دی گئی تو گاندھی نے چھ دن تک فاقے کیے۔ انہی اچھوتوں کے ووٹوں سے یہ وزیر بنتے ہیں۔ ان تمام باتوں کے باوجود اچھوتوں کو کسی جگہ بھی برابری کا مقام نہیں دیا گیا اور ان کو تناسب آبادی سے حق نہیں ملا تھا۔ پھر جو قوم اپنے جزو کے ساتھ انصاف نہ کرے وہ مسلمانوں کے ساتھ کیا انصاف کرسکتی تھی؟

یہ حقائق تھے جو سامنے آئے تو بلینک چیک کی پیشکش محض فریب نظر آئی اور فطری طور پر اکثریت کی طرف سے ان کی خوش گمانی جاتی رہی۔ اعتماد کم اور سوئے ظن زیادہ ہوتا گیا۔ مسلمانوں کے علیحدہ وجود کو تسلیم نہ کرنے کے لیے مسٹر گاندھی نے ایک اور تھیوری ایجاد کی یعنی "متحدہ قومیت"۔ یہ بھی ایک فریب تھا جس کا مقصد اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ کسی قوم کو الگ اپنے حقوق مانگنے کا کوئی موقع نہ رہے۔ عدم تشدد کی تھیوری کی طرح اس متحدہ قومیت کی تھیوری پر بھی بہت سے مسلمان لیڈر اور علما و مشائخ ایمان لے آئے اور یہاں تک کہہ دیا گیا کہ "قومیں مذہب سے نہیں اوطان سے بنتی ہیں"۔ کس کی مجال تھی جو ان کے مقابلے میں اپنی زبان کھول سکے؟ غرور کا یہ عالم تھا کہ جواہر لال نہرو نے علانیہ دعوے سے کہا کہ "یہاں صرف دو طاقتیں ہیں جن میں کشمکش ہے۔ ایک برطانیہ اور دوسری کانگریس"۔

اس وقت ایک ضعیف سی آواز اخباروں کے ذریعے سنائی دی کہ "ایک تیسری طاقت اور بھی موجود ہے اور یہ آٹھ کروڑ مسلمانوں کی طاقت ہے۔ یہ تمھیں کیوں نہیں دکھائی دیتی؟" یہ تھی محمد علی جناح کی آواز۔ اس وقت اس آواز میں کوئی خاص قوت موجود نہ تھی۔ تاہم متحدہ قومیت کے مبلغین چیخ اٹھے کہ کانگریس ہی تو ان مسلمانوں کی بھی نمائندہ ہے۔

محمد علی جناح نے جواب دیا کہ مسلمانانِ ہند کی واحد نمائندہ جماعت "مسلم لیگ" ہے بلکہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مسلم لیگ کے عظیم الشان اجلاس منعقدہ پٹنہ (عظیم آباد) میں قائد اعظم نے یہاں تک بتا دیا کہ:
انڈین نیشنل کانگریس تو خود ہندوؤں کی بھی نمائندہ جماعت نہیں۔ اچھوتوں کی، عیسائیوں کی، جینیوں کی، بدھسٹوں کی نمائندہ نہیں تو مسلمانوں کی نمائندہ کہاں سے ہو جائے گی اور سارے ہندوستان کی نمائندگی کا دعویٰ کہاں سے درست ہو سکتا ہے؟

مسلمانوں کی جداگانہ قومیت اور انفرادی حیثیت کو ختم کرنے کے لیے متحدہ قومیت کا نعرہ لگایا گیا تھا اور اس کا ردِ عمل یہ ہوا کہ "دو قومی نظریہ" زور پکڑنے لگا اور یہ واضح ہو گیا کہ مسلمانوں کا مذہب، ثقافت، رسم و رواج، رہن سہن، خوراک و پوشاک، حتیٰ کہ جنتری اور موسیقی تک ہندو قوم سے الگ ہے۔ اسی بنا پر قرطاسِ ابیض میں مسلمانوں کو علیحدہ نمائندگی دی گئی تھی۔

گاندھی جی کا اگر متحدہ قومیت پہ واقعی ایمان ہوتا تو جس طرح اچھوتوں کو الگ نمائندگی ملنے پر چھ دن فاقے کیے تھے اسی طرح مسلمانوں کی جداگانہ نمائندگی پر بھی فاقے کرتے، لیکن ہوا یہ کہ بہار اور گڑھ مکتیشر میں مسلمانوں کے قتلِ عام پر بھی کوئی فاقہ نہ کیا۔ ان فسادات سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح سامنے آ گئی کہ اگر ہندوستان میں دو قومیں نہیں ہیں تو یہ فسادات کون سے دو گروہوں کے درمیان ہو رہے ہیں؟ اور ایک بڑی حقیقت یہ بھی واضح ہو گئی کہ آج جب کہ پوری آزادی نہیں ملی ہے اور ہندو اکثریت کو صرف صوبائی اختیارات حاصل ہوئے ہیں تو مسلمان اقلیت کے ساتھ یہ برتاؤ ہو رہا ہے۔ پھر اس وقت کیا حال ہو گا جب انگریز ہندو اکثریت کے ہاتھ میں اقتدار کی زمام دے کر واپس چلا جائے گا؟

غرض یہ ہے کہ ہندوؤں کے طرزِ عمل اور تنگدلانہ روش سے مسلمانوں کی بدگمانی بڑھتی ہی چلی گئی یہاں تک کہ الٰہ آباد کے اجلاسِ مسلم لیگ میں علامہ اقبالؒ نے تقسیم ہند کی تجویز پیش کر دی، اور لاہور کے اجلاس میں قیامِ پاکستان پر مہرِ تصدیق ثبت ہو گئی۔

یہاں اس بنیادی حقیقت کو ملحوظ رکھنا بھی لازمی ہے کہ پاکستان محض دو قومی نظریے پر نہیں بنا ہے، بلکہ یہ وہ پہلی مملکت ہے جس کی عمارت اسلام کی اساس پر قائم کی گئی ہے۔ اس کا مقصد اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ ہم اپنے ملک میں اپنے دینی نظریات کے مطابق زندگی گزار سکیں۔ اور دینی نظریات سے مراد محض نماز روزے کی اجازت نہیں بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ ہمارا اعلیٰ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نظام بھی اسلامی ہو۔ سیاسی، تعلیمی، معاشرتی نظام بھی اسلامی ہو۔ غرض پورا نظامِ زندگی اسلامی سانچے میں ڈھل جاتے۔ اور یہ مسلّم حقیقت ہے کہ ہندو حکومت میں رہ کر اسلامی زندگی گزارنے کا تصور بھی نہیں ہو سکتا۔ ہندو حکومت میں تو اتنی نظریاتی آزادی حاصل کرنا بھی ممکن نہیں جتنی انگریزی دورِ حکومت میں حاصل رہی۔ اور اس کا اندازہ اس امر سے بخوبی ہو سکتا ہے کہ بھارت کو آزادی ملنے کے بعد سے اب تک ہندوؤں کے صرف اٹھائیس سالہ دورِ حکومت میں کئی ہزار چھوٹے بڑے فسادات بھارت میں ہو چکے ہیں جن میں کئی لاکھ مسلمان صرف مسلمان ہونے کے جرم میں مارے گئے اور اربوں روپے کی املاک تباہ کر دی گئیں۔ لطف یہ ہے کہ سینکڑوں کانگریسی مسلمانوں کو بھی ختم کیا گیا۔ وہ گاندھی جی کی دہائی دیتے رہے۔ اور پکار پکار کر اپنے آپ کو معروف و مشہور کانگریسی بتاتے رہے۔ لیکن جواب یہ دیا گیا کہ کچھ بھی ہو، مگر مسلمان تو ہو۔ یہ سب کچھ ہوتا رہا لیکن مقامِ حیرت ہے کہ آج تک کسی ایک قاتل کو بھی سزائے موت نہیں دی گئی۔

یہ ہے بھارت کی سیکولر اسٹیٹ اور متحدہ قومیت کے پُر فریب دعوے کی حقیقت۔

مجمع البحرین

شیعہ سُنّی متفق علیہ احادیث

از مولانا محمد جعفر پھلواروی

یہ کتاب وحدتِ امت کی طرف ایک اہم قدم ہے۔ اس میں وہ احادیث و روایات جمع کی گئی ہیں جو شیعہ اور اہلِ سنت کے درمیان متفق علیہ حیثیت رکھتی ہیں۔ شروع میں علامہ مفتی جعفر حسین مجتہد کا تعارف و تبصرہ اور علامہ نصیر الاجتہادی کی ایک تقریظ ہے۔

صفحات : ۲۸+۲۲۲ قیمت : /۷ روپے

ملنے کا پتہ : ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ کلب روڈ۔ لاہور

© rasailojaraid.com